ستائے ہوئے ہیں، جو ہر طرح کی عزت اور ہر طرح کی رعایت سے محروم ہیں، ان کے ٹوٹے ہوئے زخمی دلوں پر آپؐ نے کیسا ٹھنڈا مرہم رکھ دیا!!

سارے انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، لہٰذا وہ سب برابر ہیں۔ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پیدایشی طور سے ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں۔ کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔ ان میں سب سے اونچا اور سب سے بڑا بس وہ ہے، جو اپنے کاموں کے لحاظ سے سب سے اونچا ہو، جو اپنے رب سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کا سب سے زیادہ فرماں بردار ہو۔

عزت و ذلت کا کیسا منصفانہ اور کیسا بے مثال پیمانہ ہے! اگر کسی سماج میں عزت و ذلت کا یہ پیمانہ رائج ہو جائے، تو اس سے بہتر سماج اور کون سا ہو سکتا ہے؟

## حکام کو گالیاں نہ دو

پھر آپؐ نے جہاں برائی اور خدا کی نافرمانی میں کسی حاکم کی اطاعت سے منع فرمایا، وہیں رعایا کو اس بات کی تاکید فرمائی کہ وہ اپنے ذمے داروں یا سربراہوں کو گالیاں نہ دے۔ آپؐ نے فرمایا: امرا و حکّام کو گالیاں نہ دو، ان کے لیے دعائیں کرو کہ وہ سدھر جائیں، کیونکہ ان کے سدھر جانے سے تمھارے تمام معاملات سدھر جائیں گے۔

کتنی حکیمانہ بات فرمائی ہے آپؐ نے! امرا اور حکام کی برائیوں اور بدعنوانیوں سے نفرت اور بے زاری تو بہت اچھی اور قابلِ قدر بات ہے، لیکن اس کا علاج یہ تو نہیں ہے کہ انھیں گالیاں دی جائیں۔ انھیں گالیاں دینے سے ان کی برائیاں اور بدعنوانیاں تو دور نہیں ہوں گی، البتہ اس سے ایک نئی برائی جنم لے گی۔ ان سے خود گالیاں دینے والوں کا کردار داغ دار ہوگا۔

ایسے موقعے پر تو بہترین طرزِ عمل یہی ہو سکتا ہے کہ ان برائیوں کو دور کرنے کی سنجیدہ کوششیں کی جائیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے کہ وہ حاکموں اور سربراہوں کو ہدایت دے۔ انھیں صحیح روش اختیار کرنے کی توفیق ارزانی کرے۔

## حکّام کو تنبیہ

آپؐ نے حکمرانوں کو تنبیہ کی، فرمایا: جس نے کسی گروہ میں سے کسی شخص کو کوئی عہدہ دیا،

حالانکہ اس گروہ میں کوئی ایسا شخص موجود ہے، جو اس سے زیادہ اللہ کی نگاہ میں پسندیدہ ہے، تو اس نے اللہ، اللہ کے رسول اور تمام مومنین کے ساتھ خیانت کی۔

کتنی عمدہ، متوازن اور جچی تلی ہدایت ہے یہ!

اگر عہدوں اور مناصب کی تقسیم محض نیکی، دین داری اور اہلیت کی بنیاد پر ہونے لگے تو یہ دنیا خیر کا گہوارہ بن جائے اور شر و فساد کو کہیں پنپنے کا موقع نہ ملے۔

یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ آپؐ نے زندگی کے تمام شعبوں کے سلسلے میں اسی طرح رہنمائی دی۔ ہر معاملے کے، جو اچھے اور تعمیری پہلو تھے، ان کی تلقین فرمائی اور جو برے اور منفی پہلو تھے، ان سے منع فرمایا۔ آپؐ نے ہر اچھائی کی بھرپور حوصلہ افزائی کی اور ہر برائی کی شدت سے مذمت کی۔

## رحمۃٌ للعالمینؐ کا امتیاز

یہ رحمۃ للعالمینؐ کی ایسی خصوصیت ہے، جس میں آپؐ کا کوئی شریک نہیں۔ دنیا کی ایک ایک قوم کے مصلحین اور دانشوروں کو دیکھ ڈالو۔ ان کے کاموں اور ان کے پیغاموں کو دیکھ ڈالو، ان کی ہدایتوں اور ان کی نصیحتوں کا مطالعہ کر ڈالو، تم کسی کے یہاں بھی نیکی اور بدی، حق اور ناحق، صحیح اور غلط کا وہ واضح اور وسیع و ہمہ گیر تصور نہیں پاؤ گے، جو رحمۃٌ للعالمینؐ کے یہاں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

اپنی بعثت کا تعارف کراتے ہوئے آپؐ نے کتنی صحیح بات فرمائی تھی: میں بھیجا گیا ہوں، تاکہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں، تمام اچھائیوں کو کمال کی بلندیوں تک پہنچا دوں۔ (موطا)

اگر آج دنیا چاہتی ہے کہ ایک پاکیزہ معاشرہ اور ایک پاکیزہ ماحول کے اندر ایک پاکیزہ زندگی بسر کرے۔ اور ایک پاکیزہ زندگی کی، جو لذتیں اور برکتیں ہوتی ہیں، ان سے ہمکنار ہو، تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ کسی تعصب سے کام لیے بغیر رحمۃٌ للعالمینؐ کی دی ہوئی تعلیمات اور ہدایات کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائے۔ وہ زندگی کی تاریک گلیوں میں ان سے روشنی حاصل کرے۔ ورنہ زندگی کی ظلمتوں سے نکلنا ممکن نہیں۔ انسانی سماج کی برائیوں سے نجات پانا ممکن نہیں اور ان ظلمتوں اور برائیوں کے ہاتھوں آج کا انسان کرب و اضطراب کے، جن انگاروں پر لوٹ رہا ہے، ان انگاروں سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں۔

# اسلام کی پھوٹتی کونپلیں

قاضی حسین احمدؒ

۱۹۸۰ء میں غرناطہ کے دفترِ سیاحت میں، مَیں مسلمانوں کے کسی مرکز کا پتا دریافت کرنے گیا۔ ایک بوسیدہ سے رجسٹر کی اُلٹ پلٹ کے بعد کاؤنٹر پر کھڑے شخص نے مجھے ایک پتا لکھوایا۔ یہ پتا میں نے ایک ٹیکسی والے کو دکھایا اور وہ مجھے بہت سی پیچ در پیچ گلیوں سے گزار کر ایک گلی میں واقع پرانے مکان پر لے گیا۔ میں نے ٹیکسی والے سے کچھ دیر انتظار کرنے کے لیے کہا تاکہ معلوم کرلوں کہ کیا اس نے مجھے ٹھیک جگہ پر پہنچایا ہے۔

مکان کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک بڑے تھال کے گرد دنیا کے مختلف ممالک کے تقریباً ۱۵؍افراد روایتی اسلامی لباس، جبے اور قبے پہنے کھانے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کسی تعارف کے بغیر ہی ہاتھ کے اشارے سے مجھے کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ میں نے گھر سے باہر نکل کر ٹیکسی ڈرائیور کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے رخصت کیا، اور دوبارہ اندر داخل ہو کر کھانے کے تھال کے گرد حلقہ باندھے ہوئے مجمعے میں شامل ہو گیا۔ ان شرکا کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جن کو عرفِ عام میں 'ہپی' (Hippie) اور 'بے فکرے' کہتے تھے۔

اس مجمعے میں برطانیہ کے انگریز، مراکش کے عرب اور خود غرناطہ کے نومسلم شامل تھے۔ مجھے اس وقت سخت حیرت ہوئی، جب تعارف کے بعد ایک شریکِ محفل نے میرے ساتھ پشتو میں گفتگو شروع کی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب پاکستان میں مکمل امن تھا اور دنیا بھر کے سیاحوں کے لیے سوات، پشاور اور افغانستان ایک جنّت نظیر بنا ہوا تھا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد غرناطہ کے ایک نومسلم ساتھی نے مجھے غرناطہ کی سیر

کے لیے دعوت دی تو میں نے اس مہربان سے کہا: ''غرناطہ کی گلی کوچوں میں پیدل چل کر مجھے زیادہ خوشی ہوگی''۔ انھوں نے مجھے غرناطہ کی ایک خصوصیت تو یہ بتائی کہ: ''جن مکانات پر باہر سے سفیدی کرائی گئی ہے، یہ اسلامی دور کی یادگار ہیں''۔ دوسری خصوصیت اس نے یہ بتائی کہ: ''جن مکانات کی کھڑکیوں کی اُونچائی قدِآدم سے اُوپر ہے، ان مکانات میں روایتی پردے کا اہتمام کیا جاتا ہے''۔

ہم غرناطہ کے گلی کوچوں سے ہوتے ہوئے کھلی شاہراہ پر پہنچے۔ یہاں کئی جگہ میرے ساتھی نے راستے میں کچھ لوگوں سے دُعا سلام کی۔ جس سے مجھے یوں لگا کہ میں مسلم اندلس میں گھوم رہا ہوں، جہاں مسلمان اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ میرے ساتھی نے بتایا کہ: ''غرناطہ میں اندلسی نومسلموں کی تعداد کُل ۳۰۰ ہے، لیکن رات کے وقت جب ہم سڑکوں پر گھومتے پھرتے آپس میں ملتے اور دعا سلام کرتے ہیں تو اجنبیوں کو یوں لگتا ہے جیسے پورا شہر مسلم آبادی سے بھرا ہوا ہے''۔

آپس میں گفتگو کرتے ہوئے ہم کھانے کے لیے ایک ریستوران میں بیٹھ گئے۔ اندلسیوں کی سرزمین غرناطہ میں ایک مسلمان نوجوان کی رفاقت سے میرا دل جذباتِ مسرت سے لبریز تھا۔ میرا ساتھی بڑی سنجیدگی سے مجھے بتا رہا تھا: ''اسلام پتھر کی طرح جامد وجود نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ہرے بھرے درخت کی طرح زندہ وجود ہے۔ اگر اسے نچلے تنے سے بھی کاٹا جائے تو اس کی جڑوں سے نئی کونپلیں پھوٹتی ہیں''۔

اس اندلسی نوجوان کو یقین تھا: ''اندلس کی سرزمین پر اسلام کے جس تناور درخت کو جڑ سے اُکھاڑنے کی کوشش کی گئی تھی، وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکے گی۔ اس درخت کی جڑیں اندلس کی سرزمین میں بہت گہرائی تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس میں سے ان شاء اللہ نئی شاخیں پھوٹیں گی اور برگ وبار لائیں گی''۔ اندلسی نوجوان کا یقین اتنا راسخ تھا کہ مجھے علّامہ محمد اقبال کا یہ شعر یاد آنے لگا ؎

دانہ را کہ بآغوشِ زمین است ہنوز
شاخ در شاخ و برومند و جواں می بینم

(وہ دانہ جو ابھی زمین کے اندر چھپا ہوا ہے، میں اسے جوان، شاخ در شاخ اور پھل دار دیکھ رہا ہوں)۔

یہی حال ۱۹۷۰ء کے عشرے میں وسطِ ایشیا کا تھا۔ ہمارے افغان دوست، اسمگلروں کے ذریعے کچھ اسلامی کتابیں تاجکستان بھیجا کرتے تھے۔ ہمیں یقین تھا کہ: ''تاجکستان، ازبکستان،